اسلام اور مغرب

خرم مرادؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اُمت مسلمہ اور عصری چیلنج

اُمت مسلمہ کو، بلکہ ہر مسلمان ملک کو، آج ایک انتہائی سنگین چیلنج درپیش ہے۔ مسلمان اس چیلنج سے کس طرح عہدہ برآ ہوتے ہیں، اسی پر اس بات کا انحصار ہے کہ اس کا مقدر عزت و سربلندی ہوگا یا ذلت و غلامی۔ وہ اپنی تہذیب کی نقشہ گری اپنے ایمان و اقدار اور تصورات کے مطابق کریں گے یا انھیں خود کو نقش فرنگ میں رنگنا ہوگا؟ وہ اپنے انتہائی قیمتی وسائل و ذرائع سے خود ترقی کی منازل طے کریں گے یا ان کا دسترخوان دنیا کی بھوکی قوموں کی لوٹ کھسوٹ کے لیے ایک تر نوالہ بنا رہے گا؟

چیلنج کا ادراک

یہ چیلنج اندرونی بھی ہے اور بیرونی بھی۔ لیکن دونوں دراصل ایک ہی چیلنج کے دو پہلو ہیں۔ دونوں کو ایک دوسرے سے الگ الگ نہیں کیا جاسکتا اور ایک کا مقابلہ دوسرے کو نظرانداز کر کے کرنا ممکن نہیں۔ ایک طرف دنیا کی غالب مغربی طاقتیں اور ان کی حلقہ بگوش قومیں ہیں۔ ان طاقتوں نے اسلام اور مسلمانوں کو اپنے لیے مستقبل کا سب سے بڑا خطرہ قرار دے لیا ہے۔ اسی لیے وہ ان کو مغلوب رکھنے اور اپنے رنگ میں رنگنے کو اپنا اوّلین ہدف بنا کر کام کر رہی ہیں۔ یہ طاقتیں ہر قسم کی سیاسی، عسکری، فنی، معاشی اور ابلاغی قوتوں سے لیس ہیں۔ مسلمانوں کی قوتوں کا ان کی مذکورہ قوتوں سے کوئی تناسب ہی نہیں۔ ان قوتوں کے بل پر مغربی طاقتوں نے مسلمان ممالک کو ایک ایسے عالمی شکنجے میں کس لیا ہے، خصوصاً خلیجی جنگ [جنوری ۱۹۹۱ اور پھر نائن الیون] کے بعد تادم تحریر کسی ملک کی یہ مجال نہیں کہ ان کی مرضی، ان کے عزائم اور ان کے مفادات کے خلاف ذرا سی بھی جنبش کر سکے۔

پہلے وہ صرف فضا میں اُڑنے والے ہوائی جہازوں کی مدد سے ٹن گن لے سکتی تھیں، ان کا کوئی فوجی اڈا نہ تھا، ان کی فوجوں کے موقع واردات پر پہنچنے کے لیے ہفتوں کی مدت درکار تھی۔ اب مشرق وسطیٰ [پاکستان اور وسطی ایشیا] کی زمین پر ہر کونے میں ان کا ایک فوجی اڈا

موجود ہے اور پلک جھپکنے میں ان کی فوجیں جہاں کارروائی ضروری ہو، وہاں پہنچ سکتی ہیں۔ سیاسی طور پر، تقریباً ہر مسلمان ملک عدمِ استحکام کا شکار ہے، جس کی آگ سلگائے رکھنے میں مغربی طاقتوں کا بڑا حصہ ہے۔ عدمِ استحکام کے اس آتش فشاں پر زمامِ کار سنبھالے ان کا کوئی نہ کوئی مہرہ بیٹھا ہوا ہے، کچھ اس آتش فشاں کے پھٹ پڑنے کے ڈر سے اور کچھ اپنی طبیعت اور مزاج کی رغبت کی بنا پر، یہ مہرے ان طاقتوں کا ہر حکم بجالانے کے لیے دست بستہ تیار ہیں۔ معاشی طور پر عالمی بنک، عالمی مالیاتی فنڈ (IMF)، ورلڈ ٹریڈ آرگنائزیشن (WTO)، اقتصادی بائیکاٹ وغیرہ جیسے ہتھیاروں سے، انھوں نے ہر ملک کو اپنا محکوم بنا رکھا ہے ان اداروں اور ملٹی نیشنل کمپنیوں نے ریاستی خودمختاری کو ایک حرفِ بے معنی بنا دیا ہے۔

مغربی حکمت عملی

ابلاغی قوتوں کے ذریعے وہ سیاہ کو سفید اور سفید کو سیاہ کرسکتے ہیں۔ اپنی ان قوتوں کو، مغربی طاقتیں صرف اپنے سیاسی و معاشی مفادات آگے بڑھانے ہی کے لیے استعمال نہیں کررہی ہیں، بلکہ تہذیبی و ثقافتی غلبے کے لیے کھلم کھلا استعمال کررہی ہیں۔ اپنے تصور کے مطابق ناپسندیدہ حکومتوں کا تختہ اُلٹنے کے لیے ''خفیہ'' کارروائیوں سے بھی انھیں کوئی عار نہیں (خواہ وہ بالکل آشکار ہوں) اور ''دہشت گرد'' قرار دے کر بین الاقوامی اچھوت بنانے کی تلوار بھی وہ ہر وقت لہراتی رہتی ہیں۔

عراق کا بائیکاٹ، ایران کا اقتصادی بائیکاٹ اور اس کی حکومت کا تختہ اُلٹنے کے لیے بجٹ، سوڈان کا بائیکاٹ اور اس کو الٹی میٹم، چیچنیا میں مسلمانوں کے قتلِ عام پر مکمل خاموشی، بوسنیا میں مسلمانوں کی نسل کشی، عصمت دری اور تباہی و بربادی کی کھلم کھلا پشت پناہی اور پھر ایک ایسے معاہدے کو مسلط کرنا، جس میں قاتل و خونی سر آنکھوں پر بٹھائے جارہے ہیں۔ فلسطین میں خود فلسطینیوں کے ذریعے جدوجہد آزادی کا استیصال، پاکستان پر توہینِ رسالتؐ، جیسے قوانین کے انسداد کے لیے دباؤ، سلمان رشدی جیسے شاتمِ رسول کے خلاف آیت اللہ خمینی مرحوم [م: جون ۱۹۸۹] کے فتویٰ کو ختم کرنے کے لیے ایران پر ساری سیاسی و تجارتی قوت کا دباؤ —— یہ صرف چند نمونے ہیں مسلمانوں کے خلاف مغربی طاقتوں کی یلغار کے۔

تاریخ کا سفر

دوسری طرف مسلمان ہیں۔

تین سو سال کی غلامی سے تن ہمہ داغ داغ اور سارا جسم زار و نزار ہے۔ خود وہ حکمراں،

جو مغربی طاقتوں کی شطرنج کے پیادوں کا کام کر رہے ہیں، اسی غلامی کا ورثہ ہیں۔ سیاسی عدمِ استحکام اور معاشی بدحالی بھی انھی کا ترکہ ہے۔ مغرب کا تعلیمی اور ثقافتی غلبہ بھی اسی دور کی یادگار ہے اور تعلیمی و علمی پس ماندگی بھی انھی کے منصوبوں کا نتیجہ۔ قومیت کے تیزاب سے جسدِ ملّی کا تار تار ہو جانا بھی، حکمت مغرب کا کارنامہ ہے۔ چنانچہ آج مسلمان ہر جگہ افتراق، انتشار، محاذ آرائی اور باہم خوں ریزی کا شکار ہیں۔ ایک طرف حکمراں اور عوام، دوسری طرف قوموں کے دیگر طبقات باہم متصادم ہیں۔ اندرونی محاذ آرائی میں بہترین انسانی وسائل ضائع ہو رہے ہیں اور مادی وسائل رائیگاں جا رہے ہیں۔

لیکن مسلمانوں کے مسائل کی ساری ذمے داری اغیار کے سر ڈالنا صحیح نہیں۔ اگر تین سو سال پہلے مغربی اقوام نے دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک کی تقریباً ساری مسلمان حکومتوں کو سرنگوں کر لیا، تو اس کی اصل وجہ مسلمانوں کی اپنی کمزوریاں تھیں اور اگر آج مغربی طاقتیں مسلمانوں کے خلاف اپنے منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے میں کامیاب ہو رہی ہیں، تو اس کی بھی اصل وجہ مسلمانوں کی اپنی کمزوریاں ہیں۔ چونکہ وہ بے مقصد و بے سمت ہیں، اس لیے متفرق و منتشر ہیں اور کیونکہ کوئی سمت نہیں اور متحد نہیں ہیں، اس لیے جوش و ہوش اور حکمت و ولولے کے ساتھ سرفروشانہ جدوجہد اور قوتِ عمل سے تہی دامن ہیں۔

آج کے اس سنگین چیلنج کا جواب دینے کے لیے ضروری ہے، کہ ہمارے سامنے ہمارا لائحۂ عمل واضح ہو۔ اس مقصد کے لیے گہرے غور و فکر کی ضرورت ہے اور غور و فکر کے لیے ایک مناسب ایجنڈا بھی ضروری ہے۔ پہلے قدم کے طور پر ہم ان نکات کا تعین کرنا چاہتے ہیں، جن پر غور و فکر یہ ایجنڈا اور لائحۂ عمل تیار کرنے کے لیے ناگزیر ہے:

۱- **مغرب کا صلیبی مزاج:** اسلام اور مغرب کے درمیان کش مکش کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے، جتنی جزیرہ عرب میں ظہور کے بعد اسلام کی تاریخ۔ مغرب سے ہماری مراد مغرب کی عیسائی سیکولر تہذیب ہے، جو ماضی میں بظاہر بالکل عیسائی اور ایک چرچ کے ماتحت ہونے کے باوجود ایک سیکولر تہذیب تھی، اور آج بظاہر بالکل سیکولر ہو جانے کے باوجود اندر سے ایک عیسائی تہذیب ہے۔ مغرب سے ہماری مراد وہ مغربی حکومتیں اور طاقتیں بھی ہیں، جو کسی نہ کسی طور مسلمانوں سے آویزش و پیکار میں مشغول رہیں، خواہ بحیرہ روم کے ساحلوں پر، یا خود یورپ کی سرزمین پر، اسپین (وسط فرانس تک) سسلی اور مشرقی یورپ (وسط جرمنی تک) میں۔

آج اہلِ مغرب کے ذہن میں اسلام اور مسلمانوں کی، جو تصویر ہے، ان کے خلاف دشمنی اور تعصب و مزاحمت کی ان کی جو نفسیات ہے، اور ان کے پروپیگنڈے کے جو نکات اور اسلوب ہیں، ان سب کی جڑیں اسی تاریخ میں پائی جاتی ہیں۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ ''کل'' اور ''آج'' میں کوئی بڑا فرق نہیں واقع ہوا ہے، تو غلط نہ ہوگا۔ رسالت محمدیؐ کا معاملہ ہو، تشدد اور جنگ جوئی کا الزام ہو، عورتوں کے مقام کا مسئلہ ہو، یہ سب اسی تاریخ کا ورثہ ہیں۔

اس تاریخ کا اور تاریخ کے اس دور میں مغرب نے اسلام کی جو تصویر بنائی اور اس کے خلاف اس کی نفسیات کی جو تشکیل ہوئی، ان سب کا مطالعہ اور تعین سب سے پہلا کام ہونا چاہیے۔ ساتھ ہی اس صورت حال کے اسباب کا کھوج لگانا بھی ضروری ہے۔ ان اسباب میں جہاں حق ہو، وہاں اپنی غلطیوں کے اعتراف میں بھی کوئی تامل نہ ہونا چاہیے۔ اس لیے کہ خود احتسابی اور استغفار کو اُمت مسلمہ کا سب سے نمایاں شعار بنایا گیا ہے۔

۲- مغربی دورِ تسلط کا حقیقت پسندانہ مطالعہ: اس تاریخ کا پہلا باب ایک ہزار سال تک کا وہ دور تھا، جب اسلام مغرب کے لیے خطرہ بنا رہا۔ اس کے بعد تاریخ کا ورق پلٹا اور مغرب نے بالاتری حاصل کی۔ پھر دو سو سال میں وہ اس مقام پر پہنچ گیا کہ ۱۹۲۰ میں، ترکی، سعودی عرب [حجاز]، یمن اور افغانستان کے چار چھوٹے چھوٹے بظاہر آزاد ممالک کے علاوہ کوئی مسلمان ملک مغرب کے تسلط سے آزاد نہ تھا۔ اس صورت حال کے تین پہلو ہمارے غور و فکر کے محتاج ہیں۔

ایک یہ کہ مغرب کے تسلط کے اس دور میں مسلمانوں نے کیا کھویا اور کیا پایا؟ جو کچھ کھویا، اس پر بہت کچھ بولا اور لکھا گیا ہے۔ لیکن یہ پہلو اب بھی مزید تحقیق و تنقیح چاہتا ہے تا کہ جذبات سے بالا ہو کر واضح طور پر متعین ہو سکے کہ جسدِ ملّی کو کس کس پہلو سے کیا زخم لگے۔ نفسیات اور سوچ میں کس طرح بگاڑ پیدا کیا گیا۔ اپنے علوم اور تعلیم سے رشتہ کاٹا گیا، بے معنی و بے مقصد اور لاحاصل تعلیم سے رشتہ جوڑا گیا۔ اداروں کو تباہ کیا گیا، نئے ادارے، جو اقدار و ثقافت سے مغائرت پر مبنی تھے، قائم کیے گئے۔ ذہن و فکر کو مغرب کا غلام بنایا گیا۔ اسلام کے بارے میں ریب و تشکیک اور احساس کمتری کو فروغ دیا گیا۔ اسی طرح یہ بھی تعین کرنا ضروری ہے کہ جو کچھ نقصان پہنچایا گیا، وہ کن طریقوں سے پہنچایا گیا۔

کوئی تہذیبی تبادلہ یک طرفہ نہیں ہوتا اور اس سے انکار ممکن نہیں کہ مغرب کے تسلط کے

اس زمانے میں مسلمانوں نے کچھ پایا بھی ہے۔ تصادم اور دشمنی کی فضا میں اس پہلو سے سوچنا بھی مشکل ہوتا ہے، کجا کہ اس کا اظہار۔ لیکن اس کا بھی تعین ضروری ہے۔ پھر یہ بڑے بنیادی سوالات ہر مسلمان صاحبِ دانش کے غور وفکر کے محتاج ہیں:

- مغرب کے اس غلبے کے اسباب کیا تھے؟
- مغرب کی وہ کیا خوبیاں تھیں اور ان کے مقابلے میں مسلمانوں کی کیا کمزوریاں تھیں، جن کے نتیجے میں یہ تسلط حاصل ہوا؟
- مغرب نے جو کاری زخم لگائے اور جو نقصان پہنچایا، اس میں وہ کیوں کامیاب ہوا؟
- مسلمانوں نے مغرب کے تہذیبی، فکری اور سیاسی غلبے کو روکنے کے لیے کیا حکمت عملیاں اور تدابیر اختیار کیں؟ ان میں کیا خوبیاں تھیں اور کیا خامیاں؟ ان میں کہاں تک کامیابیاں ہوئیں اور کیا ناکامیاں ہوئیں؟ اور ان کے اسباب کیا تھے؟

آج مغرب کی اس وقت سے کہیں زیادہ بھرپور یلغار اور اس کے مقابلے کے لیے مسلمانوں کی موزوں حکمت عملی ترتیب دیتے ہوئے، ان تمام پہلوؤں کے بارے میں علم کی ضرورت ہے۔

۳- مغربی حکمت عملی، جوابی اقدام: مغرب سے آویزش کی جو صورت حال اس وقت بن گئی ہے، اس میں مختلف راستے اختیار کیے جاسکتے ہیں۔ ہر راستے میں بظاہر فی الوقت کامیابی کے امکانات بہت زیادہ نہیں۔ اندرونی کمزوریوں کے چیلنج کا جواب تیار کیے بغیر کسی راستے میں بھی کامیابی ممکن نہ ہوگی۔ پھر بھی ہر راستے پر مناسب غور کرنا ضروری ہے۔ ممکن ہے بعض راستے اس وقت اختیار کرنا ممکن نہ ہوں، لیکن آنے والا وقت، فضا کو ان کے لیے سازگار بنا دے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ایک سے زیادہ راستے بیک وقت اختیار کیے جاسکیں۔

ایک یہ کہ عسکری مقابلہ ہو اور اس میں کامیابی حاصل ہو۔ اس کا اس وقت کیا امکان ہے؟ ظاہر ہے کہ کچھ بھی نہیں۔ ایک وقت ایسا آسکتا ہے کہ یہ ممکن ہو، لیکن اس کے لیے ایک طویل مدت اور دیگر بے شمار پہلوؤں سے پیش رفت ناگزیر ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ فی الحال مغرب کی قوت اور اثر کو کم کرنے کے لیے چھوٹی موٹی عسکری کارروائیاں کی جائیں۔ لیکن کسی مجموعی اور وسیع تر حکمت عملی سے الگ ہوکر، اس کا بھی کارگر ہونا ممکن نظر نہیں آتا، کیونکہ فلسطین، بوسنیا، چیچنیا، الجیریا، شام، لبنان —— کئی نظائر یہی بتاتے ہیں۔

دوسرے یہ کہ بقائے باہمی ہو اور مسلمان، بغیر کوئی تصادم مول لیے، اپنے اپنے ممالک

میں اسلام کے مطابق اپنے معاشرے کی تشکیل کا کام کریں۔ جس حد تک یہ ممکن ہو، ضرور کرنا چاہیے۔ لیکن:

اوّل یہ کہ مغرب اس طرح کے بقائے باہمی (co-existence) کے لیے تیار نہیں۔ سوڈان کی نظیر ہمارے سامنے ہے جہاں پر اسلامی شریعت نافذ کرنے کی کوشش پر، اہلِ مغرب نے چاروں طرف سے ہمسایہ ممالک کو سوڈان کے خلاف اُبھارا اور مقامی عیسائی آبادی کو مسلح بغاوت کے لیے منظّم کیا۔

دوسرے یہ کہ مسلم ممالک کی عظیم اکثریت پر، جو مہرے عنانِ حکومت سنبھالے بیٹھے ہیں، وہ مغرب کے تابع دار اور مطیع وفرماں بردار گروہ ہیں، ان کی موجودگی میں اس راہ پر چلنا ممکن نہیں۔ خصوصاً گزشتہ چند برسوں کے دوران میں جس طرح یکے بعد دیگرے خود مسلمان حکومتوں کو 'بنیاد پرستی' اور 'انتہا پسندی' کے خلاف کھڑا کر دیا گیا ہے اس کو دیکھتے ہوئے۔

تیسرے، خود اہلِ مغرب کے دلوں کو اسلام کے لیے مسخر کیا جائے اور خود مغرب میں سے، جو قوتِ اسلام کے لیے حاصل ہو سکتی ہو، اسے حاصل کر لیا جائے۔

۴- مغرب دشمنی کا راستہ یا داعیانہ روش: مغرب سے آویزش میں، خود اہلِ مغرب کو اسلام کا ہم نوا اور علم بردار بنانے کی حکمت عملی، بہت سارے پہلوؤں سے مناسب تدابیر اور بنیادی تبدیلیوں کے بارے میں غور وفکر کی متقاضی ہوگی۔ یہ جاننا ضروری ہوگا کہ آج کے تہذیبی مسائل/ ایشوز (issues) کیا ہیں، جن کے بارے میں انسان پریشان ہے اور حل کا متلاشی۔ ان ایشوز کو ہمیں اسلام کی دعوت میں مناسب مقام دینا ہوگا۔ مثلاً امن وامان، خاندان، عورت کا مقام ومرتبہ، معاشی عدل، انسانی حقوق، فرد کا مقام، ریاست کی ہمہ گیریت، حکمرانوں اور سیاست دانوں سے مایوسی، ماحولیات وغیرہ۔

اسی طرح، باہمی آویزش کے باوجود، جب کہ مسلمان کوئی تصادم مول لے کر اس میں کامیابی کا امکان نہیں دیکھتے، اس وقت تک مغرب کے مقابلے میں حریف مقابل کی پوزیشن اختیار کرنے سے اجتناب کی مناسب تدابیر اختیار کرنا ہوں گی۔ ایک طرف مغرب کی جارحانہ یلغار ہے اور مغرب کے خلاف عام مسلمانوں میں نفرت پائی جاتی ہے۔ پھر اس یلغار کے خلاف مسلمانوں کے احساسات کو زبان دینے کی ضرورت اپنی جگہ ہے۔ دوسری طرف، حریف بننے سے اجتناب کی پالیسی کا بنیادی سوال ہے —— ان دو متضاد چیزوں کے درمیان تطابق کیسے ہو؟ یہ طے کرنا آسان نہیں، مگر اس کا پاس ولحاظ ضروری بھی ہے۔

اسی طرح آویزش کے باوجود مشترک امور کی تلاش: تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ [ال عمران: ۶۴] 'آؤ ایک ایسی بات کی طرف، جو ہمارے اور تمھارے درمیان یکساں ہے'۔ نفرت اور اندھی دشمنی کو فروغ دینے سے اجتناب ''ابوجہل'' یا ''عمر''، جیسے لوگوں کے ذریعے اسلام کی تقویت کی تمنا اور تدبیر ـــــ یہ بھی ایک نازک راستہ ہوگا۔

اس ضمن میں مغرب میں مسلمانوں کی بڑی بڑی آبادیوں کا موجود ہو جانا بھی مشیت الٰہی کی ایک ایسی تدبیر ہے، جس کی اہمیت کو کسی بھی صورت نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔ استنبول (ترکی) سے لاس اینجلز (امریکا) تک یہ لاکھوں مسلمان، اب اُمت مسلمہ کا سب سے اگلا محاذ (front line) ہیں، وہ لائن جواب بحیرہ روم سے آگے بڑھ کر عین مغرب کے قلب میں پہنچ گئی ہے۔ یہ مسلمان کیا کریں اور کیوں کر کریں؟ یہ مسلمانوں کے ایجنڈے پر ایک اہم سوال ہونا چاہیے۔ اس پہلو پر غور کرنا ضروری ہے کہ یہ مسلمان، اپنی تمام خامیوں کے باوجود، اہلِ مغرب کو اسلام کے لیے مسخر کرنے کی حکمت میں ایک کلیدی کردار کس طرح ادا کرسکتے ہیں۔

۵- اسلام سے عملی وابستگی: اسلام سے محبت اور اسلام کے نام پر پکارے جانے کے باوجود عامۃ المسلمین کی قابلِ لحاظ تعداد، اسلام کے لیے کہیں بھی متحرک اور سرگرم نہیں ہوئی ہے۔

ظاہر ہے کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان اور ان سے محبت اور غلبہ دین اور شوقِ شہادت کے علاوہ اور کون سا مدعا و مقصد مسلمان کو اٹھا سکتا ہے۔ پھر اس میں کامیابی کیوں نہیں ہو رہی اور کامیابی ہو تو کیوں کر؟ اس مدعا و مقصد کو کن سادہ اور سیدھے الفاظ میں، کس اسلوب سے بیان کیا جائے کہ عام مسلمان کے دل کے تاروں کو چھیڑ دے۔ عام مسلمانوں میں اللہ اور رسولؐ سے محبت، اللہ سے ملاقات کا شوق اور جذبۂ شہادت و جہاد کس طرح پیدا کیا جائے؟ یہ بھی آج کے ایجنڈے کا ایک اہم مسئلہ ہے۔

۶- وحدت کی تلاش: قوت کا دوسرا سرچشمہ افتراق سے نجات اور وحدت اُمت ہے۔ ظاہر ہے کہ وحدت کی بنیاد ایک مقصد سے ایسی وابستگی اور محبت ہے، جو ہر دوسری وابستگی اور محبت سے بالاتر ہو۔ لیکن اس کے بعد بھی وحدت کو برقرار رکھنے اور مستحکم کرنے اور پارہ پارہ ہونے سے بچانے کے لیے دوسری تدابیر ضروری ہوں گی۔

اس ضمن میں حکمرانوں اور باشندوں کے درمیان، قدیم و جدید کے درمیان، مغربی اور غیر مغربی کے درمیان، امیر و غریب کے درمیان اور مختلف نسل و رنگ کے درمیان کش مکش اور تصادم کے مسائل حل کرنے کے لیے بھی نئے سرے سے غور کرنا ہوگا۔ کہاں کہاں اور کس کس

طرح اس محاذ آرائی کو کم یا ختم کیا جا سکتا ہے۔ مختلف الخیال اور مختلف المزاج اور نیک و بد سب کو ایک شیرازے میں منسلک کرنے اور ایک مقصد کے لیے سرگرم کر دینے کا ہدف بھی، آج کے رویوں اور تدابیر سے بہت مختلف رویوں اور تدابیر کا تقاضا کرے گا۔

۷- اجتہادی فکر و نظر: مغرب سے مقابلہ اسی وقت ممکن ہوگا کہ اسلامی تہذیب کی تشکیل نو کے بنیادی خطوط متعین کرنے میں کامیابی ہو۔ یہ مقصد بغیر ایک عظیم اجتہادی کاوش کے آگے نہیں بڑھ سکتا۔

اجتہاد کا مسئلہ بہت نازک مسئلہ ہے۔ ایک طرف سلف کی روایت اور اس پر اُمت کا عمل ہے، دوسری طرف تغیر زمانہ و احوال سے تغیر احکام کے تقاضے ہیں۔ ایک طرف وہ مقام ہے، جہاں سے مسلمانوں نے تہذیبی مسائل میں اجتہاد ترک کیا، دوسری طرف آج کا مقام ہے جب انسانی علوم اور تمدنی اداروں کو مغرب بہت آگے لے گیا ہے۔ مغرب سے بہت کچھ ہم، کسی مناسب بحث و تمحیص کے بغیر، اختیار کر چکے ہیں اور اسی طرح بہت کچھ کو کسی بحث و تمحیص کے بغیر رد کر چکے ہیں۔ بعض کے نزدیک مغرب کی ہر چیز کفر ہے، بعض کے نزدیک عین حق۔ مغرب نے جو کچھ ''ایجادات'' کی ہیں، ٹکنالوجی کی نہیں، تمدن کی، ان میں سے کیا لینا ہے اور کیا چھوڑنا ہے؟ اجتہاد کا یہ پہلو بھی اس ایجنڈے کا ایک اہم نکتہ ہے۔

۸- توازن اور اعتدال: آخری مسئلہ حکمت اور شجاعت، استقلال اور تغیر، مزاحمت اور مفاہمت اور جوش و ہوش کے درمیان مناسب توازن کا مسئلہ ہے۔ ایسا توازن، جس سے اُمت اپنے اندر کے اور باہر سے مغرب کے چیلنج کا اس طرح مقابلہ کر سکے کہ وہ کامیابی کی طرف آگے بڑھتی رہے۔

ان تمام مسائل پر غور و فکر کر کے مناسب حل تلاش کرنے کا کام کسی ایک فرد یا چند افراد کے بس کی بات نہیں۔ اس کے لیے بہت سے لوگوں کو تدبر کرنے اور سر جوڑ کر بیٹھنے کی ضرورت ہے۔ لیکن ہمیں یقین ہے کہ ان مسائل سے بحث کیے بغیر ہم کسی طرح آج کے چیلنج کا مقابلہ کرنے میں کامیابی حاصل نہیں کریں گے۔ اس لیے جو غور و فکر کی صلاحیت رکھتا ہو، اس کو اپنا حصہ ادا کرنے سے گریز نہ کرنا چاہیے۔

اُمت مسلمہ کو درپیش بہت سے چیلنجوں کا جواب اس عمل میں مضمر ہے!

ملّت اسلامیہ کی ذمّے داری

دنیا آج اپنی تاریخ کے ایک انتہائی سنگین بحران سے گزر رہی ہے۔

آدم علیہ السلام کے بیٹوں نے اسے فساد وخوں ریزی اور ظلم و جور سے بھر دیا ہے، ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ [الروم:۴۱] کا عالم ہے۔ قوموں اور انسانوں کے درمیان اخلاق و قانون کے معروف ضابطے ٹوٹ پھوٹ گئے ہیں، معروف اور منکر کا احساس ختم ہو گیا ہے، ان کی تمیز اُٹھ گئی ہے، بلکہ منکر، معروف بن گیا ہے اور معروف منکر۔ کہیں جنگ کے طبل بج رہے ہیں، کہیں قتل و غارت گری کا بازار گرم ہے، کہیں ہوس و انتقام کے ہاتھوں عزت و آبرو کا دامن تار تار ہے۔ عام زندگی میں لوٹ کھسوٹ اور بدعنوانی کا راج ہے، اقتدار کی ہوس اور نا اہلی نے انسانوں کی زندگی کو دکھ، مشقت اور نا اُمیدی سے بھر دیا ہے۔

زندگی کا صحرا

عام آدمی کی زندگی سکون اور چین سے محروم ہے۔

ایک طرف فقر و غربت کا یہ عالم ہے کہ اکثر انسان جانوروں سے بدتر زندگی گزار رہے ہیں۔ دوسری طرف پیسے کی اتنی فراوانی ہے کہ کوئی عیش نہیں، جو میسر نہ ہو۔ لیکن غریب ہوں یا امیر، سب کی خواہش یہی ہے کہ جو نہیں ہے، وہ کسی نہ کسی طرح ملنا چاہیے اور زیادہ سے زیادہ ملنا چاہیے۔ اس ہوس نے جہنم کی آگ کو، جو کل عین الیقین سے دیکھی جائے گی، آج ہی ___ دلوں کے اندر، چہروں پر، گھروں، بازاروں اور ایوانوں میں اس طرح سلگا دیا ہے کہ دیکھنے والے دیکھ

سکتے ہیں۔ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق "برباد ہوا درہم کا بندہ، برباد ہوا دینار کا بندہ!" زندگی ایک صحرا بن گئی ہے، جس میں شیطان نے انسان کو بھٹکا دیا ہے اور وہ حیران و سرگرداں ہے۔

اس سنگین بحران کا سب سے سنگین حصہ اُمت مسلمہ کے حصے میں آیا ہے۔ ایک ارب انسانوں پر مشتمل اور ہر قسم کے وسائل سے مالا مال، اس دستر خوان پر دنیا کی قومیں بھوکوں کی طرح ٹوٹ پڑ رہی ہیں، گویا کہ وہ سب کے لیے ایک تر نوالہ بن گئی ہے۔

کشمیر، بوسنیا، فلسطین، چیچنیا، صومالیہ، اراکان (برما-میانمار)، مورو لینڈ (فلپائن) سراپا درد ہیں۔ حسرت بھری ہے داستاں میری۔ ذلت و مسکنت سروں پر مسلط ہے۔ افتراق و انتشار کی آگ بھڑک رہی ہے۔ غربت، جہالت اور پس ماندگی مقدر بن گئی ہیں۔ سب کشتی میں چھید کرنے میں مصروف ہیں، اُوپر والے بھی اور نیچے والے بھی۔ حکمراں اپنی اور غیروں کی خواہشات کے آگے سجدہ ریز ہیں اور عام آدمی خوف و حزن کا شکار اور تمناؤں کے سراب میں گم۔

ملّی زوال کا سبب

فساد کے اس غلبے کی اصل وجہ کیا ہے؟ اس کا علاج کیا ہے، کیسے ہو سکتا ہے؟

تاریخ انسانی پر اندھی بہری قوتوں کی کارفرمائی نہیں ہے۔ زمان ہو یا مکان، کائنات ہو یا تاریخ، حکمرانی اسی کی ہے، جو کچھ ہے اور جو کچھ ہو رہا ہے، اسی کی مشیت و تدبیر سے ہے اور ہو رہا ہے، جو سب کچھ سنتا اور دیکھتا ہے، ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔ رحمت اور عدل سے حکم کر رہا ہے کہ وہ رحمٰن و رحیم ہے اور قائماً بالقسط ہے۔

وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ وَلَآ أَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ أَكْبَرَ إِلَّا فِي كِتٰبٍ مُّبِينٍ ۝

(یونس:۶۱)

"کوئی ذرہ برابر چیز آسمان اور زمین میں ایسی نہیں ہے، نہ چھوٹی نہ بڑی، جو تیرے رب کی نظر سے پوشیدہ ہو اور ایک صاف دفتر میں درج نہ ہو"۔

اس لیے اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ دنیا میں، جس کے ساتھ جو کچھ ہو رہا ہے،

سنت الٰہی کے مطابق ہو رہا ہے اور اس میں ظلم کے شائبے کا بھی امکان نہیں:

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ (النساء: ۴۰)

"بے شک اللہ (کسی پر) ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا۔"

یہ سنت الٰہی کیا ہے؟

قرآن کا فیصلہ

جہاں تک انسان کا تعلق ہے، اس کو دنیا میں نعمت بھی ملتی ہے اور مصیبت بھی۔ لیکن ان کا انحصار اس کے اعمال پر نہیں۔ نہ بڑی سے بڑی دنیاوی نعمت کی کوئی قیمت ہے کہ اس کا ملنا بھلائی میں شمار ہو، نہ تکلیف کی کہ وہ اس کے حق میں برائی ہو۔ یہ دونوں بھلائی اور برائی کمانے کے مواقع اور ذرائع ہیں اور یہ فرد پر منحصر ہے کہ وہ اپنے ایمان و عمل سے جس کو چاہے اپنے حق میں ابدی نعمت میں تبدیل کر لے، جس کو چاہے عذاب میں ڈھال لے۔ دنیا کا آرام ہو یا تکلیف، گزر جانے والی چیزیں ہیں، باقی رہنے والے صرف ایمان و عمل ہی ہیں۔ اسی لیے دنیا کے ملنے کا کوئی ایسا حساب اور معلوم ضابطہ بھی نہیں، جیسا اعمال کا، کہ رزق بغیر حساب ملتا ہے۔

لیکن، اجتماع انسانی کا معاملہ بالکل مختلف ہے۔ کوئی اس لیے نہیں مرتا، جوان اور بوڑھا نہیں ہوتا، راحت یا مصیبت میں نہیں پڑتا کہ وہ نیک یا بد ہے۔ نہ اس کو موت کے بعد زندگی واپس مل سکتی ہے نہ بڑھاپے کے بعد جوانی۔ مگر قوموں اور تہذیبوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے دوسرا ہی قانون بیان فرمایا ہے کہ وہ اپنے اعمال کی وجہ سے مرتی ہیں:

فَکُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْبِہٖ (العنکبوت: ۴۰)

"پس ہم نے ہر ایک کو اس کے گناہوں کی وجہ سے پکڑا۔"

وَتِلْکَ الْقُرٰٓی اَھْلَکْنٰھُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا (الکہف: ۵۹)

"یہ عذاب رسیدہ بستیاں تمھارے سامنے موجود ہیں۔ انھوں نے جب ظلم کیا تو ہم نے انھیں ہلاک کر دیا۔"

ایک قوم ہلاکت کے کنارے پہنچ کر واپس بھی آسکتی ہے، جیسا قوم یونس کے معاملے

میں ہوا۔ وہ موت کے بعد پھر زندہ ہو سکتی ہے، جیسا بنی اسرائیل کے ساتھ ہوا۔ فرد کے ایمان و تقویٰ کے ساتھ دنیا کی نعمتیں وابستہ نہیں کی گئیں، لیکن قوموں سے وعدہ کیا گیا ہے:

اگر بستیوں کے لوگ ایمان لاتے اور تقویٰ کی روش اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے۔ (الاعراف:۹۶)

(اور اگر تم راہِ استغفار پر گامزن ہو تو) وہ تم پر آسمان سے خوب بارشیں برسائے گا، تمھیں مال اور اولاد سے نوازے گا، تمھارے لیے باغ پیدا کرے گا اور تمھارے لیے نہریں جاری کر دے گا۔ (نوح:۱۱، ۱۲)

اُمت مسلمہ کے معاملے میں بھی یہی قانون لاگو ہے۔

اگر جنگل کا سب سے کانٹے دار حصہ اس کا مقدر بنا ہے تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ اس کو اپنے اعمال کے بقدر ہی نہیں، دوسروں کے اعمال میں سے بھی حصہ مل رہا ہے۔ اس لیے کہ یہی تو اس کی ذمے داری تھی کہ وہ اس دنیا کو گلزار بنائے اور سب "اپنے" لیے بنتے ہیں اور جیتے ہیں، مگر یہ اُمت تمام انسانیت کے لیے بنائی گئی تھی: كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (اٰل عمران:۱۱۰) اس کا جینا اسی مقصد سے وابستہ کیا گیا تھا کہ وہ دین و شریعت اور عقل و فطرت کے نزدیک جانی پہچانی اور مسلمہ نیکیوں کی ہدایت کرے اور برائیوں سے روکے:۔ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (اٰل عمران:۱۱۰)، خود ایمان باللہ کی حامل بھی ہو اور دوسروں کے لیے اس کا نمونہ اور گواہی بھی: وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ آل عمران:۱۱۰، اور بھلائی کی طرف بلانے والی ہو: يَدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ آل عمران:۱۰۴)۔ جب اُمت مسلمہ ہی اپنے مقصدِ وجود کو فراموش کر کے دوسرے راستوں پر نکل گئی، تو یہ دنیا جنگل بن گئی اور پھر مشیت الٰہی نے سب سے زیادہ کانٹوں والا جنگل اس اُمت کے حصے میں اُگا یا۔

زوال سے بچاؤ

دنیا کا فساد ہو یا اُمت مسلمہ کے مسائل، ان کا کوئی حل اس کے علاوہ ممکن نہیں کہ اوّل، اُمت یہ جانے کہ اس کا مقصد اور مشن سارے انسانوں کو خیر کی طرف بلانا اور حق و تسلط کو قائم

کر کے ان کے سامنے اس پر گواہ بنتا ہے۔ دوسرے، وہ یہ جانے کہ اس مقصد کی تکمیل کے لیے وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک عہد اور میثاق میں بندھی ہوئی ہے۔ یہی میثاق اس کی تشکیل کی بنیاد ہے۔ اسی خالق کائنات سے وفا پر اس کی بقا اور ترقی کا انحصار ہے۔ آج تک دنیا میں اسے جو کچھ ملا ہے، اسی کی وجہ سے ملا ہے۔ وہ خدا کی آخری ہدایت و وحی کی امین ہے، اس کے دین و شریعت کی نعمت سے سرفراز ہے، انسانیت کا ضمیر اور ''نفس لوامہ'' ہے اور اس کے دین کی حقیقت احتساب کائنات ہے۔ جب وہ ہر نفس خود اپنے عمل کا حساب کرنے لگے، تب ہی دست قضا میں شمشیر بن کر فساد ارضی کا خاتمہ کر سکے گی۔

ہماری اُمت کی یہ حقیقت اور مقام بالکل واضح ہے۔ اس کا نام اسی کا اعلان ہے: هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ [الحج: ۷۸]۔ اس نے تمھیں ''مسلم'' کا نام دیا ہے۔ اُمت مسلمہ کا نام نسل پر مبنی ہے اور نہ رنگ، زبان، علاقہ اور مادی مفادات، معاشی ترقی کے معیار پر۔ یہ تو ایمان و عمل کا مظہر ہے۔ اللہ کو اپنا رب مان لینا، اس کے آگے جھک جانا، صرف اس کا بن جانا اور اس کی تابع داری کے لیے ہر وقت دست بستہ کھڑے رہنا، اس کے علاوہ مسلمہ کے کوئی معنی نہیں۔

اس کی تاریخ اور روایات بھی، یہی بتا رہی ہیں: مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ، اپنے باپ، ابراہیم علیہ السلام کی ملّت! جہاد اور شہادتِ حق کی راہ پر گامزن ملّت! وہ ملّت جو بے خطر آتش نمرود میں کود پڑے۔ گھربار اور وطن ترک کر دے، دشت و بیابان میں اپنا گھر بنائے، اپنے اکلوتے بیٹے کے گلے پر چھری رکھنے سے دریغ نہ کرے۔ جب پکارا جائے تو کہے، لبیک، میں حاضر ہوں۔ قرآن نے سیدنا ابراہیم خلیل اللہؑ کے مادی کمالات کی نہیں، عشق و قربانی کی داستان سنائی ہے اور بتایا ہے کہ اسی کے صلے میں ان کو امامِ عالم بنایا۔

قرآن کی روشنی

قرآن کی آیات یہی ابدی اور ہمہ گیر روشنی دے رہی ہیں:

- تمھیں اُمت وسط بنایا ہے تا کہ تم دنیا کے لوگوں کے سامنے گواہ بنو۔ (البقرہ: ۱۴۲)
- اللہ کی راہ میں جہاد کرو... تا کہ لوگوں کے سامنے گواہ بنو۔ (الحج: ۷۸)

- رسول، کتاب اور میزان اس لیے اتارے کہ لوگ انصاف پر قائم ہو جائیں، اب دیکھیں کون اللہ اور اس کے رسول کی نصرت کے لیے کھڑا ہوتا ہے۔ (الحدید:۲۵)
- انصاف کے قائم کرنے والے بنو، لوگوں کے سامنے گواہ ہو، صرف اللہ کے لیے۔

(النساء:۱۳۵، المائدہ:۸)

ان کے ساتھ ہی اس نے علو وغلبہ، تمکین وحکومت اور استخلاف کا وعدہ مشروط فرمایا۔

رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ اسی حقیقت پر گواہ ہے۔ ''اے نبیؐ، ہم نے تمھیں گواہ اور بشارت دینے والا اور آگاہ کرنے والا اور اللہ کی طرف بلانے والا اس کی اجازت سے اور روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے''۔ کہلوایا گیا کہ ''اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری راہ چلو، میرے پیچھے پیچھے ہو لو''۔ حرا سے اُتر کر اس وقت تک، جب رفیق اعلیٰ کے پاس تشریف لے گئے، ہر دم اور ہر سانس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کس راہ پر چلتے رہے، کس مشن کی تکمیل کے لیے کوشاں رہے؟ یہی مشن اُمت کی حقیقت اور مقام ہے، اسی میں اس کے لیے عزت و سربلندی ہے، اسی میں انسانیت کے لیے آج کے عالم گیر فساد سے نجات کی راہ ہے۔

اس مشن کی تکمیل کا عہد و میثاق ہوا تو اُمت مسلمہ وجود میں آئی:

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِیْ وَاثَقَكُمْ بِهٖۤ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ؗ (المائدہ:۷)

اور یاد کرو (ہدایت کی) اس نعمت کو، جو اللہ نے تمھیں دی ہے، اور (یاد رکھو) اس پختہ عہد و پیمان کو، جو اس نے تم سے لیا ہے، یعنی تمھارا یہ عہد کہ ''ہم سنیں گے اور مانیں گے''۔

رسول اور کتاب ہدایت کی نعمت کا تقاضا کیا ہے اور اُمت سے بہ حیثیت مجموعی سننے اور ماننے کا میثاق کس چیز کے لیے ہے۔ یہ بھی ساتھ ہی ساتھ بتا دیا گیا:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ؗ

(المائدہ:۸)

اے ایمان والو، اللہ کی خاطر، راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو۔

اور بنی اسرائیل کے حوالے سے، ہمارے اس میثاق کو بالکل کھول کر بیان کر دیا:

وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ مَعَكُمْ ؕ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَیْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِیْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا

(المائدہ:۱۲)

اور اللہ نے کہا تھا: ''میں تمھارے ساتھ ہوں، اگر تم نے نماز قائم رکھی اور زکوٰۃ دی اور میرے رسولوں کو مانا اور ان کی مدد کی اور اپنے خدا کو اچھا قرض دیتے رہے''۔

عہدِ وفا

کہا جاسکتا ہے کہ ''ہمیں تو یاد نہیں کہ ہم نے کوئی ایسا میثاق کیا ہو''۔ لیکن ہر عہد لکھ پڑھ کر اور قول و قرار کر کے نہیں ہوتا۔ جب بچہ گھر میں پیدا ہوتا ہے اور پرورش پاتا ہے، تو بہر حال ماں باپ کی اطاعت، ان سے حسنِ سلوک اور گھر کی روایات و ضوابط کی پابندی کے عہد میں بندھ جاتا ہے۔ جب آدمی کسی کے دستر خوان پر مسلسل کھاتا ہے تو اخلاقاً وفاداری اور نمک حرامی سے اجتناب کا پابند ہو جاتا ہے۔ جب وہ کسی کی ملازمت شروع کر دیتا ہے اور تنخواہ وصول کر لیتا ہے، تو کوئی رسمی اعلان کیے بغیر وہ شرائط ملازمت پوری کرنے کا عہد کر لیتا ہے۔

یہی معاملہ مسلمان کا ہے۔ بحیثیت انسان کے وہ مسلسل ربِ کائنات کے دستر خوان پر کھا رہا ہے اور اس سے ہر لمحہ اپنی تنخواہ لے رہا ہے۔ وہ اس سے عہد بندگی کا اور نمک حلالی کا پابند ہے۔ بحیثیت مومن کے وہ کلمہ پڑھتا ہے (جو قول و قرار ہے) اور قرآن کو کتاب الٰہی تسلیم کرتا ہے۔ اس کے آباؤ اجداد پر آسمان و زمین سے برکتوں کے دروازے کھلے رہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے میثاق کو یاد رکھنے سے پہلے اس کی یہ نعمتیں یاد کرنے کی ہدایت کی، تاکہ وہ دلیلِ راہ بنیں۔

اس میثاق پر مہر تصدیق اس وقت لگی، جب بدر کے میدان میں [۲ ہجری] نبی کریم ﷺ نے اپنے رب کے سامنے بہ چشم تر عرض کیا: اگر یہ مٹھی بھر گروہ ہلاک ہو گیا، تو زمین پر تیری عبادت نہ کی جائے گی، یہ ایک ناز بھری التجا ہی نہ تھی، یہ پوری اُمت کی طرف سے امام اُمت کا عہد و میثاق بھی تھا۔

اگر تو نے آج اس میدان میں اس مٹھی بھر گروہ کو فتح اور زندگی عطا کی، تو رہتی دنیا تک یہ اُمت زمین پر تیری بندگی قائم کرنے کی پابند ہوگی۔ بدر کی فتح ہی نے اُمت مسلمہ کے لیے اور اس کے ذریعے انسانیت کے لیے، زندگی اور فتوحات کے دروازے کھول دیے، تاکہ اللہ کی یہ بات پوری ہو:

جسے ہلاک ہونا ہے وہ روشن دلیل کے ساتھ ہلاک ہو اور جسے زندہ رہنا ہے وہ روشن دلیل کے ساتھ زندہ رہے۔ (الانفال: ۴۲)

عہد کی اہمیت

عہد کی پابندی پر زمین و آسمان قائم ہیں، پوری انسانی زندگی قائم ہے۔ خاندان، سیاست اور معیشت قائم ہیں۔ اسی لیے قرآن مجید بار بار ایفائے عہد کی تاکید کرتا ہے۔ عہد شکنی اور زبان و دل اور قول و عمل کے تضاد کو نفاق قرار دیتا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ [م: ۹۳ھ/ ۷۱۲ء] کہتے ہیں کہ کم ہی ایسا ہوتا کہ حضوؐر تقریر فرماتے ہوں اور یہ نہ کہتے ہوں:

لا دین لمن لا عهد له ولا ایمان لمن لا امانة له (حدیث)

جس کو عہد کا پاس نہیں اس کا کوئی دین نہیں اور جس کو امانت کا پاس نہیں اس کا کوئی ایمان نہیں۔

جس سورۃ المائدہ میں آیت میثاق درج ہے، جو اس تاکید کے ساتھ شروع ہوئی کہ اُوفوا بالعقود۔ اسی میں کھول کر بیان کر دیا گیا ہے کہ عہد شکنی کیا ہوتی ہے اور کس انجام تک ہوتی ہے۔ بنی اسرائیل، ہم سے پہلے اُمت مسلمہ تھے۔ ان کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے:

- ان کا حال یہ ہے کہ الفاظ کا اُلٹ پھیر کر کے، بات کو کہیں سے کہیں لے جاتے ہیں، جو تعلیم انھیں دی گئی تھی اس کا بڑا حصہ بھول چکے ہیں اور آئے دن تمھیں ان کی کسی نہ کسی خیانت کا پتا چلتا رہتا ہے۔ ان میں سے بہت کم لوگ اس عیب سے بچے ہوئے ہیں۔

(المائدہ: ۱۳)

- تم دیکھتے ہو کہ ان میں سے بکثرت لوگ گناہ اور ظلم و زیادتی کے کاموں میں دوڑ دھوپ

کرتے پھرتے ہیں اور حرام کے مال کھاتے ہیں۔ بہت بری حرکات ہیں، جو یہ کر رہے ہیں۔ کیوں ان کے علما اور مشائخ انھیں گناہ پر زبان کھولنے اور حرام کھانے سے نہیں روکتے؟ یقیناً بہت ہی برا کارنامۂ زندگی ہے، جو وہ تیار کر رہے ہیں۔ (المائدہ: ۶۲، ۶۳)

- اے اہل کتاب، تم ہرگز کسی اصل پر نہیں ہو، جب تک کہ تورات اور انجیل اور ان دوسری کتابوں کو قائم نہ کرو، جو تمھاری طرف تمھارے رب کی طرف سے نازل کی گئی ہیں۔

(المائدہ: ۶۸)

- کہو، اے اہلِ کتاب، اپنے دین میں ناحق غلو نہ کرو اور ان لوگوں کے تخیلات کی پیروی نہ کرو جو تم سے پہلے خود گمراہ ہوئے اور بہتوں کو گمراہ کیا اور ''سواء السبیل'' سے بھٹک گئے۔ بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ان پر داوٗدؑ اور عیسیٰ ابن مریمؑ کی زبان سے لعنت کی گئی، کیونکہ وہ سرکش ہو گئے تھے اور زیادتیاں کرنے لگے تھے، انھوں نے ایک دوسرے کو برے افعال کے ارتکاب سے روکنا چھوڑ دیا تھا۔ برا طرزِ عمل تھا، جو انھوں نے اختیار کیا۔ (المائدہ: ۷۷-۷۹)
- یہ ان کا اپنے عہد کو توڑ ڈالنا تھا، جس کی وجہ سے ہم نے ان کو اپنی رحمت سے دُور پھینک دیا اور ان کے دل سخت کر دیے۔ (المائدہ: ۱۳)

کامیابی کی راہ

ہم اس آئینے میں اپنی تصویر نہ دیکھ سکیں، مگر آج خلا سے کوئی ایسی مخلوق زمین پر آئے، جو نہ ہماری کتابیں پڑھ سکتی ہو، نہ تقریریں سمجھ سکتی ہو اور اس کے جاننے کا ذریعہ صرف آنکھیں ہوں، تو اسے ہماری تصویر دیکھنے میں کوئی دقت نہ ہوگی۔ واشنگٹن، لندن، پیرس ہو یا جکارتا، کراچی، ریاض ہو یا قاہرہ، اسے انسانوں میں کوئی فرق نظر نہ آئے گا۔ دونوں کے مقاصد زندگی ایک، دونوں کی تگ و دو ایک، دونوں کے ادارے اور ارادے ایک۔ کوئی فرق نظر آئے گا تو وہ یہ کہ عام انسانی اخلاق کے لحاظ سے اور تہذیب کی ظاہری چمک دمک کے لحاظ سے وہ ہم سے بہت آگے ہیں۔ وہ اگر یہ رائے قائم کرے کہ آج کے مسلمانوں کا عمومی طرزِ عمل ظلم و زیادتی

کی، بے ایمانی اور دھوکا دہی کی، رشوت اور بدعنوانی کی، ہوس زر اور تنگ دلی وتندخوئی کی تعلیم دیتا ہے، تو کچھ بے جانہ ہوگا۔

یہ لعنت اور دل کی سختی نہیں تو کیا ہے کہ: بھائی بھائی کا خون بہا رہا ہے، ظلم و بے رحمی اور غیرانسانی سلوک کے ریکارڈ توڑے جا رہے ہیں۔ ملک وملت کو دونوں ہاتھوں سے لوٹ رہے ہیں، ہوس واقتدار اور باہمی ضد وعناد میں وطن کے استحکام، ترقی اور مستقبل کو داؤ پر لگا رہے ہیں۔ اپنے تخت کی حفاظت کے لیے اپنے ہی جوانوں کو تختہ دار پر کھینچ رہے ہیں۔ ساتھ ہی وعظ و نصیحت، نماز وقرآن کا سلسلہ بھی جاری ہے، مگر دل نرم نہیں پڑتے، رویوں میں نرمی نہیں آتی اور اخلاق وعمل میں تبدیلی نہیں پیدا ہوتی۔

ہم چاہیں کہ اللہ سے اپنے میثاق کی تجدید اور اس کے وفا کرنے کی جستجو وکاوش کے بغیر ہمارے مسائل حل ہو جائیں، ہمیں سیاسی استحکام نصیب ہو، معاشی ترقی حاصل ہو، یگانگت اور اتحاد پیدا ہو، عزت وسربلندی ملے، تو ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔

بیماری کا علاج بیماری نہیں

آج ہماری تمناؤں اور آرزوؤں کی معراج کیا ہے؟

ہم ''ان'' جیسے بن جائیں، ہمیں ان کا قرب حاصل ہو، ہم ان کی داد وتحسین کے مستحق ٹھیریں، جو ترقی یافتہ اور مہذب کہلاتے ہیں —— حالانکہ انھوں نے ہی زمین کو فساد اور ظلم وجور سے بھر دیا ہے اور انھی کی وجہ سے ہم اپنے مقصد سے محرومی، اپنی ثقافت سے بے گانگی اور ذلت و نکبت کے امراض میں مبتلا ہیں یا پھر ان کی سطح پر پرواز کے لیے کوئی مقام ہی پالیں 'ایشیائی ٹائیگر' کے لقب ہی سے کوئی ہمیں پکار دے۔ ''مدینہ'' کی صف نہ سہی، کوریا اور تائیوان کی صف میں ہمارا شمار ضرور ہو جائے۔

جب ہمارے بقراط [م: ۳۷۷ ق م] اور جالینوس [م: ۱۹۹] ہمارا علاج تجویز کرتے ہیں تو ان میں سے کوئی کہتا ہے: ''بچوں کو پہلی جماعت سے انگریزی پڑھاؤ''۔ کوئی کہتا ہے: ''سائنس اور ٹکنالوجی کی تعلیم عام کرو''۔ کوئی کہتا ہے: ''صنعتی پیداوار بڑھاؤ''۔ کوئی کہتا

ہے: ''لندن اور پیرس کی طرح بن جاؤ''۔ لیکن جو ان ساری چیزوں میں ہم سے کوسوں آگے ہیں، جو مادی ترقی کے ان سارے میدانوں میں لیڈر ہیں اور اس ترقی کی اعلیٰ ترین منزلیں چھو چکے ہیں۔ جن کے ''چہرے'' ایسے روشن ہیں کہ نگاہیں خیرہ ہو جائیں، کیا یہ وہی نہیں ہیں، جن کا اندرون چنگیز سے تاریک تر ہے، جو خود انتشار کا شکار ہیں، جہاں بے یقینی و یاس نے اور بدامنی اور بے گانگی نے اپنے تاریک سائے ڈال دیے ہیں۔

کارخانوں کی بڑھتی ہوئی تعداد، صاف شفاف سڑکیں، قومی پیداوار میں چند پوائنٹ کا اضافہ، اسٹاک ایکسچینج کا اُوپر اٹھنا، فی کس ٹیلی فون لائنوں کا بڑھ جانا، فی کس آمدنی میں اضافہ ـــــ یہ تو وہ کھلونے ہیں، جو مغرب کے بالغ نظر استاد نے ہمارے ہاتھوں میں تھما دیے ہیں، تاکہ ہم اپنے اصل مقام سے غافل، ان سے دل بہلاتے رہیں، اگرچہ سونے کا ہمالہ ہو تو مٹی کا ہے اک ڈھیر، بقول اقبال ؎

عصرِ حاضر ملک الموت ہے تیرا، جس نے
قبض کی روح تری، دے کے تجھے فکرِ معاش

ہمیں یہ کہنے میں کوئی تامل نہیں کہ معاشی ترقی کے دیوتا کی طرف مسابقت کی دوڑ ایک ایسی دوڑ ہے، جس میں بالآخر تہذیبی لحاظ ہی سے نہیں، معاشی لحاظ سے بھی، پس ماندہ رہنا ہمارا مقدر ہے۔ ہمارا مطلب یہ ہرگز نہیں اور یہ غلط فہمی بالکل نہ ہونی چاہیے کہ مسلمان فقر و غربت ہی میں جینے کے لیے پیدا ہوا ہے اور اسے معاشی ترقی کے لیے کوشش نہیں کرنا چاہیے، یا دنیاوی ترقی مطلوب نہیں، کارخانے اور سڑکیں نہیں بننا چاہییں۔

نہیں، ہمارا مدعا یہ اور صرف یہ ہے کہ ان کو مقصد زندگی نہ بننا چاہیے۔ جب یہ مقصود بن جاتے ہیں تو ''بت'' بن جاتے ہیں۔ پھر نہ خدا ملتا ہے اور نہ وصالِ صنم۔ پھر ہر جگہ چوری اور بدعنوانی کے سوراخ ہو جاتے ہیں۔ پھر ہر ایک بہتی گنگا میں ہاتھ دھونے کے لیے اُتر پڑتا ہے۔ پھر ایک اُمت مسلمہ کا حشر وہی ہوتا ہے، جو بنی اسرائیل کا سامری کے بچھڑے کی پرستش کر کے ہوا۔ پھر اُمت کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے ہیں:

حکمتِ مغرب سے ملت کی یہ کیفیت ہوئی
ٹکڑے ٹکڑے جس طرح سونے کو کر دیتا ہے گاز

مستقبل کے لیے

بیسویں صدی کے ساتویں عشرے میں، ماہنامہ چراغ راہ کراچی کے تحریک اسلامی نمبر میں، مستقبل کے سب سے بڑے مسئلے کے سلسلے میں ہم نے جو کچھ لکھا تھا، اسے یہاں دہرا دینا مفید سمجھتے ہیں۔

- آزادی کے بعد بڑی شدت سے، نہ صرف یہ کہ ہماری قوم کو اس کے اصل اور فطری نصب العین سے مایوس کیا گیا اور اس سے رشتہ کاٹا گیا، بلکہ بدترین ظلم یہ کیا گیا کہ ایک سوچے سمجھے انداز میں اس کے لیے ایک دوسرے نصب العین کا سنہری دام بچھایا گیا، جو نہ اس کے معتقدات کے مطابق تھا اور نہ اس کے ساتھ اس کی ثقافتی و دینی روایات رواج پا سکتی تھیں۔ یہ نصب العین ہے، ''معاشی ترقی'' اور ''معیارِ زندگی کی بہتری'' کا۔ انگریز کی طویل غلامی سے نکل کر یہ مردِ بیمار ابھی اپنے پاؤں پر کھڑا بھی نہ ہوا تھا کہ ہمارے لیڈروں اور ہمارے نشر و اشاعت کے تمام ذرائع نے اس مقصد کی زہریلی خوراکیں اس کے حلق سے نیچے اتارنا شروع کر دیں۔
- یہ ایک ایسا نصب العین ہے، جس کے ساتھ نہ اسلام کا نباہ ہو سکتا ہے، نہ اخلاق کا، نہ اس میں روحانیت کا کوئی سوال باقی رہتا ہے نہ پاکیزگی اور ایثار کا۔ اس نے ہمیں چند جسمانی مظاہر اور چند ٹکڑوں کے عوض اپنی قیمتی متاع بھی فروخت کر ڈالنے پر تیار کر دیا۔ اس نے ہمارے نوجوانوں کے عزائم کو پست اور ان کی امنگوں کو سرد کر دیا۔ اس نے ہمیں خود غرضی اور نفس پرستی کا درس دیا۔ اس نے ہماری ملی وحدت کو پارہ پارہ کر دیا۔ اس نے اس قوم کو جو کبھی لا الہ الا اللہ، جیسے روحانی مقصد کے لیے دیوانہ وار مصروف جدوجہد ہو گئی تھی، محض فیکٹریاں بنانے اور کھیتوں کی پیداوار بڑھانے کے مقاصد

کے ساتھ باندھ کر پستی میں دھکیل دیا۔ اس نے معاشی لوٹ کھسوٹ، اخلاقی اباحیت، غلامی، بین الاقوامی گدائی، بے یقینی، احساسِ کمتری، بے حیائی اور منافقت کے ناپاک رجحانات کو جنم دیا، یا تقویت پہنچائی۔ یہ اس کے زہریلے پھل ہیں، جو آج ہم کھا رہے ہیں اور مستقبل میں بھی کھائیں گے۔ اگر اُمت مسلمہ کا آئیڈیل یہی ہونا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کفارِ قریش کی حکومت، دولت اور حسن کی پیش کش کو کبھی رد نہ فرماتے۔

- دین جس راستے پر لے جانا چاہتا ہے، معاشی انصاف اور خوش حالی اس کے لازمی نشان ہائے منزل ہیں۔ لیکن اگر معاشی ترقی نصب العین بن جائے، تو دونوں کے راستے مخالف سمت میں جاتے ہیں۔ بڑے عیار ہیں وہ لوگ، جو یہ کہہ کر آنکھوں میں دھول جھونکنا چاہتے ہیں کہ ہم اسلام بھی چاہتے ہیں اور مادی ترقی بھی۔ حالانکہ ان کی تمام جدوجہد، ان کی پوری زندگی، معاشی ترقی کی دیوی کے لیے خالص ہو کر رہ گئی ہے۔
- تحریکِ اسلامی کیونکہ اسلامی مقاصد اور آخرت کے نصب العین کی دعوت کو لے کر کام کر رہی ہے، اس لیے اسے مستقبل میں باطل کے اس خطرناک اوتار کے خلاف جہادِ اکبر کرنا ہوگا۔ اسے ایک طرف اس نصب العین کی ان جڑوں کو کھودنا ہوگا، جو آہستہ آہستہ ہمارے جسم کے اندر پھیلتی جارہی ہیں۔ دوسری طرف ملک کے نوجوانوں کو اس بات کا یقین دلانا ہوگا کہ اگر دونوں مقاصد کا نعرہ لگایا تو اسلام کا دامن ہاتھ سے چھوٹنا تو یقینی ہے ہی، لیکن باوجود تمام قوتیں لگا دینے کے، مادی خوش حالی کی چڑیا بھی ہاتھ نہ آئے گی۔ اس حقیقت پر ہماری پوری تاریخ شاہد ہے۔ اس کے برعکس اگر ہم نے دعوتِ اسلامی کے لیے اپنی جدوجہد کو خالص کرلیا تو خوش حالی اور مادی ترقی بھی لازمی ہے اور آخرت کی بھلائی بھی: کاش انھوں نے تورات اور انجیل اور ان دوسری کتابوں کو قائم کیا ہوتا، جو اِن کے رب کی طرف سے ان کے پاس بھیجی گئی تھیں۔ ایسا کرتے تو ان کے لیے اُوپر سے رزق برستا اور نیچے سے اُبلتا۔ (المائدہ:۶۶)

- یہ آیندہ دور کا سب سے بڑا مسئلہ ہے۔ یہ کرنے کا سب سے بڑا کام ہے اور موجودہ تہذیب کے غلبے کی وجہ سے اس کام کو کرنا بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز راستے پر سفر کرنے کے مترادف ہے۔[1]

آج اُمت کے لیے عصرِ حاضر کے چیلنج کا مقابلہ کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے، انسانیت کی نجات بھی اسی میں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اس پکار پر کان دھرے اور لبیک کہے:

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اللہ اور اس کے رسول کی پکار پر لبیک کہو، جب کہ رسول تمھیں اس چیز کی طرف بلائیں، جو تمھیں زندگی بخشنے والی ہے......

اور بچو اس فتنے سے، جس کی شامت مخصوص طور پر صرف انھی لوگوں تک محدود نہ رہے گی، جنھوں نے تم میں سے گناہ کیا ہو......

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، جانتے بوجھتے اللہ اور اس کے رسولؐ کے ساتھ خیانت نہ کرو، اپنی امانتوں میں غداری کے مرتکب نہ ہو۔ (الانفال: ۲۴-۲۷)

شکر ہے کہ آج اُمت میں اللہ اور رسولؐ کی پکار ہر طرف سے اُٹھ رہی ہے۔ مرد، عورت، بوڑھے، نوجوان، بچے سب اس پر لبیک کہہ رہے ہیں۔ اسلامی تحریکات نے جدوجہد کا دیا جلا دیا ہے۔ ابھی اس کو چراغ اور آفتاب بنتے وقت لگے گا۔ اس راہ میں سنگ ہاے گراں حائل ہیں، لیکن اس پر لبیک کہنا ہی زندگی اور ترقی کا ضامن ہے۔ یہ ہر مسلمان کا کام ہے کہ وہ اپنے عمل کا حساب کرے اور دیکھے کہ وہ اپنے عہد و امانت کی پاس داری کے لیے کیا کر رہا ہے۔

---

(۱) خرم مراد: مسائل افکار، ص ۱۴-۱۶۔